خطبہ الٰہ آباد (دسمبر ۱۹۳۰ء)
ایک تجزیہ

احمد سعید

۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ شہرہ آفاق اجلاس علامہ اقبال کی زیر صدارت شہر الٰہ آباد کے محلہ یاقوت گنج کے ایک تمباکو فروش شیخ رحیم بخش کے "دوازدہ منزل" میں منعقد ہوا تھا۔ چونکہ اس گھر کے صحن یا ہال کے چاروں طرف بارہ دروازے کھلتے تھے اس لئے یہ دوازدہ منزل کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔[۱]

ابھی آل انڈیا مسلم لیگ کے کھلے اجلاسوں کی روایت قائم ہونے میں کافی دیر تھی لہٰذا ان دنوں لیگ کے اجلاس عام طور پر یا تو سینما گھروں یا پھر شہر کے ٹاؤن ہال میں منعقد ہوا کرتے تھے۔ بعض اوقات یہ اجلاس نجی گھروں میں بھی بلائے جانے کی روایت موجود تھی۔ ۱۹۱۹ء میں لیگ کا اجلاس امرتسر کے فرید چوک کے "منڈوے" (سینما) میں منعقد ہوا تھا۔[۲] ۱۹۲۴ء میں لیگ کا اجلاس پہلے اسلامیہ کالج لاہور کے حبیبیہ ہال میں ہونا تھا لیکن چند وجوہ کی بناء پر یہ اجلاس میکلوڈ روڈ پر واقع گلوب سینما (موجودہ صنوبر سینما) میں منعقد ہوا۔ ۱۹۲۹ء میں روشن تھیٹر دہلی میں منعقدہ اجلاس میں حاضرین کی تعداد محض دو سو کے لگ بھگ تھی۔[۳] ۱۹۳۳ء میں لیگ کا اجلاس ہاوڑہ (کلکتہ) کے ٹاؤن ہال میں بلایا گیا تھا۔[۴]

الٰہ آباد اجلاس میں حاضرین کی تعداد بہت کم تھی۔ ایک شریک جلسہ مفتی فخرالاسلام کا کہنا تھا کہ جلسہ میں بمشکل چار پانچ سو آدمی موجود تھے اور ان میں بھی بہت سے سکولوں کے بچے شامل تھے۔[۵] دیگر ذرائع سے حاصل شدہ کوائف سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اجلاس میں حاضرین کی تعداد متذکرہ بالا تعداد سے بہت ہی کم تھی۔ اگرچہ شریک مندوبین کی صحیح تعداد کا پتہ لگانا تو بہت مشکل ہے تاہم ایک جریدے نے طنز کرتے ہوئے اجلاس میں شریک کئی "اعزازی مجسٹریٹوں" اور سرکاری ملازمین کے علاوہ حاجی عبداللہ ہارون (کراچی) سیٹھ طیب جی (سندھ) شیخ عبدالمجید سندھی، نواب اسمٰعیل خان (یو۔ پی) مولوی علاء الدین، مولانا الیس صادق

(پنجاب) مولانا عبدالماجد بدایونی (یو۔ پی) سید حسین امام (بہار) سید ذاکر علی (یو پی) عبدالقادر قصوری (لاہور) سید حبیب (لاہور) اور ناظر حسن (ممبر بہار لیجسلیٹو کونسل) کی شرکت کا ذکر کیا تھا۔ مذکورہ بالا اسماء میں سے چند ایک تو بالکل ہی غیر معروف نام ہیں۔[۶] خود لیگ کے اسسٹنٹ سیکرٹری سید شمس الحسن کے مطابق الہ آباد اجلاس میں صرف چند ہی مندوبین نے شرکت کی تھی اور لیگ کو مطلوبہ کورم پورا کرنے میں کافی مشکلات کا سامنا تھا۔[۷] "ماڈرن ریویو" (کلکتہ) نے بھی اجلاس میں کورم کی کمی کی نشاندہی کی تھی۔ جریدہ نے لکھا کہ اجلاس میں ۷۵ مندوبین کی شرکت لازمی تھی جو یہاں اتنی تعداد میں موجود نہیں تھے۔ علاوہ ازیں جریدے نے یہ بھی لکھا کہ صدر جلسہ (علامہ اقبال) جلسہ کے اختتام سے قبل ہی الہ آباد سے روانہ ہو گئے تھے۔[۸] کیا یہ محض حسن اتفاق ہے کہ علامہ اقبال نے پنڈت نہرو کے آبائی شہر الہ آباد جا کر ایک مسلم ریاست کے قیام کی خواہش کا اظہار کیا تھا اور پنڈت نہرو نے اسی سال اقبال کے شہر میں آ کر ہندوستان کی مکمل آزادی کی آواز بلند کی تھی۔

اہم نکات :

علامہ اقبال نے اسلام اور قومیت کے حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ایک اخلاقی نصب العین اور سیاسی نظام کی حیثیت سے اسلام ہی مسلمانان ہند کی تاریخ کا سب سے اہم عنصر رہا ہے اور دنیا بھر میں شاید ہندوستان ہی ایک ایسا ملک ہے جہاں اسلام کی انسانی تعمیری قوت کا بہترین اظہار ہوا ہے۔ اقبال نے پر زور الفاظ میں کہا کہ اسلام میں دین اور دنیا کی علیحدگی کا کوئی تصور نہیں۔ آپ نے یورپ کے اس نظریئے پر کڑی نکتہ چینی کی کہ "مذہب فرد کا ذاتی معاملہ ہے اور اس کو دنیاوی زندگی سے کوئی تعلق نہیں" کیونکہ اسلام انسان کی وحدت کو روح اور مادہ کی متضاد دوئی میں تقسیم نہیں کرتا۔ اسلام میں خدا اور کائنات' روح اور مادہ' کلیسا اور ریاست ایک ہی کل کے دو مختلف اجزاء ہیں۔ اقبال کے خیال میں روحانی اور دنیاوی زندگی میں تقسیم کے اسی غلط اصول نے یورپ کے مذہبی اور سیاسی افکار کو متاثر کیا ہے۔ اقبال نے اسلام میں کسی بھی کلیسائی نظام کے وجود کی تردید کی۔ اقبال نے اپنے اس غیر متزلزل عقیدے کا اظہار کیا کہ اسلام اب بھی ایک زندہ قوت ہے جو ذہن انسانی کو نسل و وطن کی قیود سے آزاد کرا سکتی ہے اور مذہب کو فرد اور ریاست دونوں کی زندگی میں غیر معمولی حیثیت سے حاصل ہے۔ اقبال کے نزدیک "اسلام خود ایک تقدیر

(Destiny) ہے جسے کسی دوسری تقدیر کے حوالے نہیں کیا جا سکتا۔ اقبال نے مذہب کو ایک ذاتی معاملہ قرار دینے کے نظریئے کی پرزور مخالفت کی۔ انہوں نے سوال کیا کہ کیا آپ چاہتے ہیں کہ اخلاقی اور سیاسی نصب العین کی حیثیت سے اسلام کا وہی حشر ہو جو یورپ میں عیسائیت کا ہو چکا ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ اسلام کو صرف ایک اخلاقی نصب العین کی حیثیت سے زندہ رکھیں لیکن اس کے سیاسی نظام کو رد کر کے دوسرے نظاموں کو اختیار کریں؟

اقبال نے متحدہ قومیت کے باطل نظریئے کو جھٹلایا اور اس حقیقت کی نشاندہی کی کہ عوام الناس نے کبیر اور اکبر کے دین الٰہی سے کوئی اثر قبول نہیں کیا اور ہندوستان کے مختلف مذاہب اور ذاتوں میں اپنی انفرادی حیثیت کو ختم کر کے ایک قوم کی صورت اختیار کرنے کا کوئی رجحان موجود نہیں کیونکہ ہر گروہ اپنی ایک الگ اجتماعی حیثیت کو برقرار رکھنے پر مصر ہے۔ اقبال نے فرانسیسی مفکر رینان کا یہ قول دہرایا کہ ایک قوم کی تشکیل کے لئے بنیادی عنصر اخلاقی شعور ایک عظیم قربانی کا مطالبہ کرتا ہے، جس کے لئے ہندوستان کی کوئی جماعت تیار نہیں۔ اقبال نے اس بحث سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اندریں حالات ہندوستانی قوم کا اتحاد ان تمام جماعتوں کی نفی کی بجائے ان کے باہمی اشتراک اور ہم آہنگی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ ان کی رائے میں ہندوستان اور ایشیا کی تقدیر اس بات پر منحصر ہے کہ ہندوستان میں انہی خطوط پر اتحاد و اتفاق قائم کیا جائے۔

اقبال نے یہ سوال بھی اٹھایا کہ اب تک دونوں قوموں کے درمیان سمجھوتہ کیوں طے نہیں پا سکا اور باہمی تعاون کے حصول کی تمام کوششیں کیوں ناکام ہوئیں؟ اقبال کے نزدیک "شاید ہم ایک دوسرے کی نیتوں پر شک کرتے ہیں اور دل ہی دل میں ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی فکر میں ہیں۔ ہم یہ بات تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں کہ ہر گروپ کو اپنی تہذیب و روایات کے مطابق آزادی کے ساتھ ترقی کرنے کا حق حاصل ہے۔

اقبال نے اس بات کا برملا اعلان کیا کہ اگر ہندوستانی مسلمانوں کو اپنی تہذیب و روایات کے مطابق اپنے ہندوستانی علاقوں (Indian homlands) میں آزادانہ اور بھرپور ترقی کرنے کا حق حاصل ہو جائے اور فرقہ وارانہ مسئلے کا تصفیہ اسی اصول کے مطابق طے پا جائے تو پھر ہندوستانی مسلمان آزادی کی جنگ میں اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہوں گے۔

اقبال نے سرسید احمد خان کے نظریات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ ہندوستان ایک براعظم ہے جس

میں مختلف نسل، گروپ، مختلف زبانیں بولنے والے اور مختلف مذاہب کے پیروکار موجود ہیں اس لئے ہندوستان پر یورپی جمہوریت کا اطلاق مذہبی فرقوں کے وجود کو تسلیم کئے بغیر ممکن نہیں۔ اس بنیاد پر اقبال نے ہندوستان کے اندر ایک "مسلم ہندوستان" قائم کرنے کے مطالبے کو بالکل حق بجانب قرار دیا۔

اقبال نے آل پارٹیز مسلم کانفرنس کی دہلی میں پاس کردہ قرارداد کی نہ صرف خود تائید کی بلکہ ایوان سے بھی اس کی تائید کرنے کو کہا کہ ایک متوازن اور ہم آہنگ قوم کی تشکیل کے لئے ضروری ہے کہ اس کی قومیتوں کا گلہ گھونٹنے کی بجائے انہیں ایسے مواقع فراہم کئے جائیں کہ وہ اپنے اندر پوشیدہ تمام ممکنہ قوتیں استعمال میں لا سکیں۔

اقبال کی دوربین نگاہوں نے گول میز کانفرنس میں زیر تشکیل فیڈریشن کو تاڑ لیا تھا کیونکہ مجوزہ فیڈریشن میں دیسی ریاستوں کی شمولیت سے یہ فیڈریشن ایک جانب تو ہندوستان کی دائمی غلامی کا سبب بن جاتی اور دوسری جانب مسلمان اس فیڈریشن میں ہمیشہ کے لئے ہندوؤں کی غلامی میں جکڑے جاتے۔ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھنؤ کے اخبار "ہمدم" نے لکھا تھا کہ "اقبال نے نہایت بے باکی سے اس امرواقعہ کو بے نقاب کر دیا ہے کہ فیڈریشن کی جو سکیم کانفرنس کے خراد پر چڑھی ہوئی ہے، اس کا اس کے سوا کچھ اور مطلب نہیں کہ والیان ریاست تاج برطانیہ کی ملوکیت کو مستحکم کریں۔" اخبار نے یہ الزام عائد کیا کہ ہندوؤں اور برٹش ملوکیت پسندوں کے درمیان ایک سمجھوتہ ہو گیا ہے کہ تم ہمارا قدم ہندوستان میں جمارہنے دو ہم تمہاری حکومت کو جما دیں گے۔ "ہمدم" نے اقبال کے خیالات کی تائید کرتے ہوئے لکھا:

> اگر فیڈریشن سے تمام صوبوں کو حقیقی اور اعلیٰ اختیارات حکومت حاصل نہ ہوئے تو اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ مدبران برطانیہ کا منشاء صرف یہ ہے کہ وہ اپنی قوت اور طاقت کو ہاتھ سے نہ جانے دیں اور اپنی حکمت عملی سے ہر ایک کو اس کی استعداد کے مطابق طمانیت اور لہجت کا سامان فراہم کر دیں۔ مسلمانوں کو لفظ فیڈریشن سے خوش کر دیں ہندوؤں کو مرکزی حکومت میں بااختیار بنا کر راضی کر دیں اور برٹش ملوکیت پسندوں کو کلید حکومت ودیعت کر کے مطمئن رکھیں۔ یہ وہ اصلیت ہے جو ہر نظر غائر کے سامنے آشکارا ہے۔

اقبال نے اپنے خطبے کی روح بیان کرتے ہوئے کہا:

> میری خواہش ہے کہ پنجاب، صوبہ سرحد، بلوچستان اور سندھ کو ملا کر ایک ہی ریاست (State) میں ضم کر دیا جائے۔ مجھے تو یوں نظر آتا ہے کہ کم از کم ہندوستان کے شمال مغرب میں سلطنت

> برطانیہ کے اندر رہتے ہوئے یا اس کے باہر حکومت خود اختیاری اور شمال مغربی مسلم ریاست کا قیام حتمی طور پر مسلمانوں کا نوشتہ تقدیر (Final destiny) بن چکا ہے۔

اقبال نے ہندوؤں اور انگریزوں سے اس تجویز سے پریشان نہ ہونے کی درخواست کی کیونکہ ہندوستان دنیا کا سب سے بڑا اسلامی ملک تھا اور جہاں اسلام کو ایک تمدنی قوت کی حیثیت سے زندہ رکھنے کے لئے اسے ایک مخصوص علاقے میں مرتکز کرنا ضروری تھا۔ اقبال نے اس حقیقت کی نشان دہی بھی کی کہ برطانیہ کے ناروا سلوک کے باوجود مسلمانوں کے جاندار طبقوں نے فوج اور پولیس میں شامل ہو کر انگریزوں کی حکومت کو ممکن بنایا لہٰذا مسلمانوں کو ایک جگہ مرکوز کر دینے سے نہ صرف ہندوستان بلکہ ایشیا کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا کیونکہ اس صورت میں ان کا احساس ذمہ داری قوی اور جذبہ حب الوطنی گہرا ہو جائے گا۔ اس ضمن میں اقبال نے ایک اہم نکتہ یہ اٹھایا کہ اگر مسلمانوں کو ہندوستان کے سیاسی جسد میں رہتے ہوئے ترقی کرنے کا موقع دیا گیا تو شمال مغربی ہندوستان کے مسلمان تمام حملوں کے خلاف خواہ وہ سنگینوں سے کئے جائیں یا نظریات سے یہ ہندوستان کے بہترین محافظ ثابت ہوں گے۔ یہاں اقبال کے یہ الفاظ کہ ہندوستان کے سیاسی جسد میں رہتے ہوئے قابل غور ہیں۔

اقبال نے سری نواس شاستری کے اس دعویٰ کی تردید کی کہ شمال مغربی سرحد پر مسلم ریاست کے قیام کی خواہش ضرورت پڑنے پر حکومت ہند پر دباؤ ڈالنے کے لئے کی جا رہی ہے کیونکہ مسلمانوں میں ہرگز کوئی ایسا جذبہ موجود نہیں۔ ان کا مقصد محض اتنا ہے کہ انہیں بھی ترقی کے مواقع میسر آ سکیں جو اس قسم کی مرکزی حکومت کے تحت ممکن نہیں۔ انہوں نے ہندوؤں کے اس خدشے کو بھی دور کیا کہ خود مختار ریاستوں کے قیام سے ان کی مراد کسی قسم کی مذہبی حکومت کا قیام ہے۔ اقبال نے کہا کہ میں اسلام اور ہندوستان کے بہترین مفاد کے پیش نظر ہی ایک متحدہ مسلم ریاست کے قیام کا مطالبہ کر رہا ہوں۔

اقبال نے کہا کہ مسلمانوں کا اہم ترین مطالبہ یہ ہے کہ فرقہ وارانہ مسئلے کے مستقل تصفیہ کی خاطر برطانوی صوبوں کی از سرنو تشکیل کی جائے۔ انہوں نے واضح کیا کہ مسلمان کسی ایسی آئینی تبدیلی پر رضامند نہیں ہوں گے جس سے پنجاب اور بنگال کی مسلم اکثریت متاثر ہوتی ہو نیز مرکزی اسمبلی میں ان کی ۳۳ فیصد نمائندگی کی ضمانت نہ دی گئی ہو۔

اقبال نے صوبہ سندھ کی بمبئی سے علیحدگی پر بہت زور دیا۔ انہوں نے یہ واضح کیا کہ سندھ ہندوستان

کے مقابلے میں عراق اور عرب سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔ انہوں نے اس ضمن میں مشہور مسلمان جغرافیہ دان مسعودی کا یہ قول دہرایا کہ سندھ ایک ایسا ملک ہے جو اسلامی ممالک سے قربت رکھتا ہے۔ ساتھ ہی انہوں نے حضرت امیر معاویہؓ کا مصر کے بارے میں یہ قول کہ اس کی پشت افریقہ کی جانب اور چہرہ عرب کی جانب ہے، پیش کرنے کے بعد کہا کہ مناسب ردوبدل کے بعد یہی قول آج سندھ پر صادق آتا ہے کہ اس کی پشت ہندوستان اور چہرہ وسط ایشیا کی جانب ہے۔ اقبال نے سندھ کی علیحدگی کے بارے میں یہ دلیل بھی دی کہ بمبئے کی حکومت سندھ کے زرعی مسائل سے قطعاً لاتعلق ہے۔ یہاں انہوں نے ایک پیشین گوئی بھی کی کہ سندھ کی لامحدود تجارتی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے کراچی لازماً ایک دن ہندوستان کا دوسرا دارالحکومت ہو گا۔

اقبال نے صوبہ سرحد میں آئینی اصلاحات کے اجراء کے سلسلے میں سائمن کمیشن پر کڑی نکتہ چینی کی کہ جس نے صوبے میں اصلاحات کے اجراء کی مخالفت میں یہ دلیل دی تھی کہ چونکہ یہ لوگ بارود خانہ میں رہتے ہیں لہٰذا انہیں سگریٹ جلانے کا حق نہیں دیا جا سکتا۔ اقبال نے اس انداز فکر پر گرفت کی اور سیاسی اصلاحات کو آگ کی بجائے روشنی سے تشبیہ دیتے ہوئے کہا کہ خواہ کوئی شخص کوئلے کی کان میں رہتا ہو یا بارود خانے میں اسے روشنی حاصل کرنے کے حق سے محروم نہیں رکھا جا سکتا۔

اپنے خطبے کے آخر میں اقبال نے ایک نہایت معنی خیز بات کہی :

> میں فرقہ وارانہ مسائل کے تصفیہ سے مایوس نہیں ہوں تاہم میں اپنے اس احساس کے اظہار کے بغیر نہیں رہ سکتا کہ موجودہ نازک حالات کے تدارک کے لئے ہماری ملت کو مستقبل قریب میں آزادانہ جدوجہد کرنی پڑے گی لیکن کسی سیاسی طرز عمل کے لئے آزادانہ جدوجہد تب ہی ممکن ہو سکتی ہے جب پوری قوم اس پر آمادہ ہو اور ان کے تمام عزائم اور ارادے ایک ہی مقصد پر مرتکز ہو جائیں۔

اقبال یقیناً مستقبل کی تحریک پاکستان کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔

ہندوؤں کا ردعمل

ہندو سیاستدان اور اخبار نویس خطبہ الہ آباد پر بلبلا اٹھے اور انہوں نے اس کے خلاف آسمان سر پر اٹھا لیا۔ روزنامہ "ٹریبون" (لاہور) نے یکم جنوری ۱۹۳۱ء کی اشاعت میں برطانوی حکومت اور مسلم زعماء کو ہندو

مسلم تصفیہ اور گول میز کانفرنس کی ناکامی کا ذمے دار ٹھہرایا۔ اخبار کے نزدیک مسلم رہنماؤں میں سب سے زیادہ ذمہ داری خود اقبال پر عاید ہوتی تھی جنھوں نے ایک ایسے موقع پر یہ خطبہ دیا جبکہ تصفیہ کی توقعات بہت روشن نظر آ رہی تھیں۔ "ٹریبیون" کے نزدیک اقبال کا ایک اور "جرم" یہ تھا کہ انہوں نے گول میز کانفرنس کے مندوبین کا ایک ایسے موقع پر جبکہ وہ مخلوط انتخاب پر رضامند ہو چکے تھے اس کے خلاف ایک تار دے دیا۔ "ٹریبیون" نے یہ الزام بھی لگایا کہ چونکہ اقبال کو پہلی گول میز کانفرنس میں مدعو نہیں کیا گیا تھا لہٰذا انہوں نے انتقامی کارروائی کے طور پر کانفرنس کو تباہ کرنے کے لئے یہ خطبہ دیا۔[۹]

لاہور سے شائع ہونے والے ایک مشہور متعصب اخبار "پرتاپ" نے خطبہ الہ آباد پر جو اداریہ لکھا اس کا عنوان تھا "شمال مغربی ہندوستان کا ایک خطرناک مسلمان" اور اس میں علامہ اقبال کو جنونی، شرارتی، متعصب، زہریلا، تنگ نظر اور کمینے کے القاب سے نوازا گیا تھا۔

ماہنامہ "ماڈرن ریویو" (کلکتہ) نے ایک شذرے میں لکھا:

> اس خطبے میں پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان پر مشتمل ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک مسلم ریاست کے قیام کے مطالبے نے لوگوں کی توجہ کو سب سے زیادہ اپنی طرف منعطف کیا ہے۔ اب ایک طرف تو اے کے فضل الحق اور ان کے رفقاء بنگال میں "غلبہ" (Domination) چاہتے ہیں اور دوسری طرف "شاعر" اقبال ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک مسلم ریاست کے قیام کے متمنی ہیں۔ بہت سے لوگوں کے نزدیک ان دونوں بیانات میں مسٹر جناح کے چودہ نکات کو بہتر طور پر سمجھنے کی کنجی موجود ہے۔[۱۰]

روزنامہ "انقلاب" نے "ایک بازاری ہندو مضمون نگار" کا ایک قول نقل کیا کہ اقبال ہندوؤں کا ملک ہندوؤں سے چھین کر مسلمانوں کے حوالے کرنا چاہتا ہے۔[۱۱]

"انڈین ڈیلی میل" (بمبئے) کے لندن میں مقیم نامہ نگار ایف ڈبلیو ولسن نے اپنے ایک مراسلے میں لکھا کہ برطانوی وزیراعظم ریمزے میکڈانلڈ اقبال کے خطبہ آلہ آباد میں بیان کردہ نظریات سے سخت ناراض ہیں۔[۱۲]

ہندو سیاست دانوں کا ردعمل

نہ صرف ہندو صحافی بلکہ ہندو سیاست دان بھی خطبہ الہ آباد پر بہت چراغ پا ہوئے۔ مشہور بنگالی سیاست

دان بپن چندر پال نے اپنے ایک مضمون میں خطبے پر تبصرہ کرتے ہوئے اقبال کو بہت جلی کٹی سنائیں۔ پال نے لکھا:

> سر محمد اقبال اور ان کے ساتھی عالم خواب میں پھر اسی زمانے کا مزہ لیتے ہیں جب ہندوستان مسلمانوں کے قبضے میں تھا۔ اقبال چاہتے ہیں کہ ان کے ہم مذہب ایشیا اور ہندوستان پر پھر حکومت کریں لیکن وہ اس حقیقت کو بھول گئے کہ آج ہندوستان اور باقی دنیا میں بے شمار تبدیلیاں آ چکی ہیں، حالات بدل چکے ہیں اور وہ لوگ بھی اب اس پوزیشن میں نہیں کہ اب ہندوستان میں مغل یا پٹھان راجیہ قائم کرنے میں مدد دے سکیں۔[۱۳]

گول میز کانفرنس میں شریک ایم۔ آر جیکر نے خطبہ الہ آباد پر تنقید کرتے وقت خاصے بھرپور طنزیہ الفاظ استعمال کیے۔ جیکر نے اس امر پر خوشی کا اظہار کیا کہ علامہ نے اپنے نظریات کے سلسلے میں "اس قدر صاف گوئی" سے کام لیا۔ اس نے علامہ کی تقریر کو "بے وقت لیکن مبنی بر حقیقت" بتلایا جنھوں نے اس بات کو بے خوف و خطر کہہ دیا جو مجھے عرصے سے چودہ نکات کی تہ میں محسوس ہو رہی تھی۔

جیکر نے مخلوط انتخاب کی بنیاد پر ہندو مسلم مفاہمت کا ایک خاکہ تیار کیا تھا لیکن اقبال نے گول میز کانفرنس کے مندوبین کو جداگانہ انتخاب سے کسی بھی صورت دستبردار ہونے پر متنبہ کیا تھا۔ جیکر نے علامہ کی اس جسارت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

> میں نے اس معاملے (ہندو مسلم مفاہمت) کو وہیں پر ختم کر دیا اور کسی بھی ایسی تجویز پر غور کرنے سے انکار کر دیا جس سے بقول اقبال شمالی ہندوستان میں ایک مسلم ریاست قائم ہو۔ گذشت دو ماہ کے دوران جو گفت و شنید ہوئی اس میں مسلمانوں کا رویہ ایسا رہا ہے کہ ہم میں سے اکثر کی آنکھیں کھل گئیں" جیکر نے دھمکی دی کہ "ہم حتی الوسع کوشش کریں گے کہ مسلمانوں کی بین الاقوامی نوعیت کی تمناؤں کو پورا کرنے کی اجازت نہ دیں۔[۱۴]

جیکر کے برعکس ڈاکٹر مونجے نے ایک مختلف انداز اختیار کرتے ہوئے گول میز کانفرنس کی اقلیتی کمیٹی میں خطبہ الہ آباد کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ "میں اپنے مسلم دوستوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ جذبات کی رو میں نہ بہہ جائیں۔ ہم سب لوگ ہندوستان کے باشندے ہیں ہمارے تمہارے خون اور ہڈیوں میں کوئی فرق نہیں ہم سب ایک ہی قوم کی اولاد ہیں۔"

غرض کہ ہندوؤں نے خطبہ الہ آباد کے ضمن میں اقبال کے خلاف بہت زہر اگلا۔ روزنامہ "انقلاب"

نے ان کے اس رویئے کے بارے میں لکھا کہ شاید ہی کوئی گویا ہندو زبان ہو جس نے اس خطبے کے خلاف نہایت ناپاک سے ناپاک انداز میں زہر افشانی اور زہر ریزی نہ کی ہو اور شاید ہی چند الٹی سیدھی سطریں لکھنے والا کوئی ہندو ہاتھ ہو جس نے اس خطبے کو اپنی مذموم اور قابل صد نفریں جولانی کا تختہ مشق نہ بنایا ہو بلکہ ہم کہتے ہیں کہ غالباً حضرت سلطان محمود غزنوی اور حضرت عالمگیرؒ اعظم کے خلاف بھی ہندوؤں نے اس تواتر، اس تسلسل، اس جماؤ اور اس ہمہ گیری کے ساتھ فتنہ پردازیاں نہیں کیں جن کا مرجع حضرت علامہ کے خطبہ کو بنایا گیا۔[۱۵]

خطبہ الہ آباد کے ضمن میں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ نہ صرف ہندو اور برطانوی حلقوں نے علامہ اقبال کے نظریات پر کڑی تنقید کی بلکہ خود مسلمانوں کے ایک طبقے نے بھی علامہ کی مسلم ریاست کے قیام کی خواہش کو ناپسند کیا۔ اس سلسلے میں سیٹھ یعقوب حسن (مدراس) اور محمد علی کریم چھاگلہ (بمبئی) کے نام نظر آتے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ دونوں اپنے آپ کو "نیشنلسٹ مسلمان" کہلانے پر فخر محسوس کرتے تھے اور شاید انہی میں سے ایک "نوجوان مسلم لیڈر" نے علامہ اقبال کو "ہندوستانی السٹر" (Indian Ulster) کا بانی قرار دیا تھا۔[۱۶] خود اقبال کے ایک قریبی سیاسی رفیق سر محمد شفیع نے گول میز کانفرنس کے دوران ڈاکٹر مونجے کے ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہا تھا کہ اگر اقبال نے مروجہ اصطلاح کے مطابق برٹش کامن ویلتھ سے باہر کسی آزاد مسلم ریاست کا ذکر کیا ہے تو میں اس کانفرنس کے مسلم وفد کی طرف سے ایسی تجویز رد کرتا ہوں۔[۱۷]

اگر ایک طرف متعصب ہندوؤں کی ایک بڑی کھیپ خطبہ الہ آباد پر چیں بہ جبیں ہو رہی تھی تو دوسری جانب چند اعتدال پسند ہندوؤں نے اقبال کے نقطۂ نظر کو سمجھنے کی کوشش کی اور اس سے ہمدردی کا اظہار کیا۔ روزنامہ "ٹائمز آف انڈیا" (بمبئے) میں "لبرل ہندو" کے قلمی نام سے ایک مضمون شائع ہوا جس میں مضمون نگار نے مشہور آئینی ماہر جی آر ابھیانکر کی تجویز کا ذکر کیا۔ پروفیسر ابھیانکر نے ہندوستان کے آئینی مسئلے کو حل کرنے کی خاطر "ہندو ہندوستان"، "مسلم ہندوستان" اور "والیان ریاست کے ہندوستان" پر ہندوستان کے لئے تین عناصر پر مشتمل ایک وفاق کی تشکیل کا منصوبہ پیش کیا تھا۔ "لبرل ہندو" نے پروفیسر ابھیانکر کا مذکورہ بالا حل پیش کرنے کے بعد لکھا کہ ممکن ہے کہ پروفیسر موصوف اور سر اقبال کے دلائل اور مقاصد مختلف ہوں، لیکن سر اقبال کی یہ رائے بہت وزنی ہے کہ فیڈریشن میں دیسی ریاستوں کی شمولیت کے

بعد ہندوؤں کی پوزیشن بہت مضبوط ہو جائے گی۔ "لبرل ہندو" نے اقبال کے نظریات کی بھرپور تائید کرتے ہوئے لکھا کہ "محض اس ایک دلیل کی بناء پر علامہ اقبال کا یہ مطالبہ خاص ہمدردی کا مرجع بن جاتا ہے کہ اسلامی کلچر کی حفاظت و ترقی کے لئے ایک ایسے صوبے کا انتظام ضروری ہے جس میں مسلمانوں کو اکثرت حاصل ہو۔"[۱۸] مضمون نگار کا کہنا تھا کہ اگر سر اقبال کی رائے پر عمل کیاجائے تو اس سے خود سندھ' پنجاب' سرحد اور بلوچستان کے ہندوؤں کی پوزیشن مجموعی طور پر بہت مضبوط ہو سکے گی کیونکہ ایک اسلامی صوبے میں جس کی آبادی تقریباً ڈھائی کروڑ ہو گی' ہندوؤں کی آبادی پونے کروڑ سے کم نہ ہو گی اس طرح چاروں صوبوں کے ہندو مل کر ایک طاقت ور اقلیت بن جائیں گے اور انہیں وہ تمام حقوق و مراعات حاصل ہوں گی جو ان جیسی اقلیت کو حاصل ہو سکتی ہیں"۔ ایک قابل توجہ بات یہ ہے کہ "لبرل ہندو" نے تو اپنے اس مضمون میں "ریاست" (State) کی بجائے "مسلم صوبے" (Muslim Province) کا ذکر کیا تھا لیکن ڈاکٹر جاوید اقبال نے زندہ رود میں اس مضمون کا ذکر کرتے ہوئے "مسلم ریاست" لکھ دیا حالانکہ روزنامہ "انقلاب" میں اس مضمون کا جو ترجمہ شائع ہوا اس میں واضح طور پر "مسلم صوبے" کے الفاظ درج ہیں۔[۱۹]

مسلم اخبارات کا رویہ

حیران کن بات یہ ہے کہ نہ صرف ہندو اور برطانوی اخبارات بلکہ مسلم اخبارات نے بھی اقبال کے اس خطبے کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی۔ خطبہ الہ آباد کے حوالے سے برعظیم کے مسلم اخبارات نے جو کچھ لکھا اس تک ہماری دسترس نہیں البتہ روزنامہ "انقلاب" اور لکھنؤ سے شائع ہونے والے اخبار "ہمدم" نے علامہ اقبال کے خیالات کی بھرپور تائید کی۔ "ہمدم" نے اقبال کے اس مطالبے کو نہایت حق بجانب قرار دیا کہ مسلمانوں کو ہندوستان کے اندر ایک اسلامی ہند کے قیام کا موقع ملنا چاہئے اور اس کی بہترین تشکیل اس صورت سے ہو سکتی ہے کہ پنجاب' سرحد' سندھ اور بلوچستان کو ملا کر ایک واحد سلطنت قائم کی جائے۔[۲۰]

روزنامہ "انقلاب" شاید برعظیم کا واحد اخبار تھا جس نے علامہ اقبال کے خطبے کی بلاخوف و خطر حمایت کی اور اپنے ایک درجن سے زائد اداریوں میں اس کے مندرجات کو سراہا۔ علامہ اقبال اور ہندو جرائد میں کیا مسلمانوں کے لئے مطالبہ آزادی ناجائز ہے' کے زیر عنوان ایک اداریہ میں انقلاب نے لکھا:

تعجب ہے کہ جو لوگ دن رات انگریزوں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ تم ہمارے ملک سے چلے جاؤ

تاکہ ہم اس میں اپنی تہذیب' اپنی روایات اپنے مذاق کے مطابق حکومت قائم کر کے آزادی اور خود مختاری کی برکات سے بہرہ ور ہوں وہ مسلمانوں کو اس قسم کا کوئی حق دینے کو تیار نہیں۔ اگر ہندو اس ملک میں اپنی اکثریت کی بناء پر ہندو راج قائم کرنے کے لئے دن رات کوشاں ہیں اور مسلمانوں کی پرواہ بھی نہیں کرتے تو پھر مسلمانوں کو بھی یقیناً یہ حق حاصل ہے کہ وہ پنجاب' سرحد' بلوچستان اور سندھ کو ملا کر ایک اسلامی سلطنت قائم کرنا اپنا نصب العین قرار دیں۔[۲۱]

ہندوؤں کے شدید رد عمل کے پیش نظر "انقلاب" نے "ہندو راج پر علامہ اقبال کی فاتحانہ ترکتاز" کے زیر عنوان ایک نہایت سخت اداریے میں لکھا:

حقیقت یہ ہے کہ حضرت علامہ کا خطبہ ہندو کے تصور قومیت یا ہندوستان پر ہندو راج کے قیام پر سب سے پہلی فاتحانہ ترکتاز ہے جس نے اس راج کی بنیادیں ہلا دی ہیں۔ ہندو اپنی سلطنت کے جس خواب کو عملی صورت میں تعبیر کے قریب پہنچا ہوا سمجھتے تھے اس کا سارا تار و پود بکھیر دیا ہے۔ مونجیوں' بیکاروں' گاندھیوں' مالویوں اور نہروؤں نے قومیت اور جمہوریت کی صدہا فریب کاریوں کے ساتھ ہندوستان کی تمام غیر ہندو اقوام علی الخصوص ملت اسلامیہ کے گلے میں پھانسی کا پھندہ ڈال کر یہاں ایک خالص و غیر ممزوج ہندو سلطنت کی جو عمارت کھڑی کرنی چاہی تھی۔ حضرت اقبال نے اس سلطنت کے قیام کی تمام خفیہ سازشوں کے مکروہ اور بھیانک چہرے کو عالم آشکار کر دیا۔[۲۲]

خطبہ الہ آباد کے ضمن میں عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ اقبال پہلے شخص ہیں جنھوں نے تقسیم ہند کا نظریہ پیش کیا جو تاریخی اعتبار سے درست نہیں کیونکہ خطبہ الہ آباد سے بہت عرصہ قبل مختلف اشخاص ہندو مسلم مسائل کے حل کے لئے تقسیم ہند کی تجاویز پیش کر چکے تھے۔ دوم یہ بات محققین کے درمیان باعث نزاع بنی ہوئی ہے کہ کیا اقبال نے خطبہ الہ آباد میں ایک مسلم ریاست یا محض ایک مسلم صوبے کی تشکیل کی بات کی تھی۔ اقبال نے اپنے خطبے میں دو جگہوں پر مسلم ریاست (Muslim State) کی بات کی جبکہ ایک مقام پر ہندوستان میں مسلم ہندوستان کا ذکر کیا لیکن بعد میں ایڈورڈ ٹامسن اور راغب احسن کے نام خطوط میں بالصراحت مسلم صوبے کی تشکیل کا ذکر کیا۔ آکسفورڈ یونیورسٹی بنگلہ زبان کے لیکچرر اور کانگرس کے حامی ایڈورڈ ٹامسن نے اقبال کی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے انہیں "پاکستان سکیم" کا حامی لکھ دیا۔ اس پر اقبال نے ۴ مارچ ۱۹۳۴ء کو لاہور سے اس "فاش غلطی" کی طرف متوجہ کرتے ہوئے ٹامسن کو لکھا:

تم نے مجھے پاکستانی سکیم کا موئید قرار دیا ہے حالانکہ یہ میری سکیم نہیں۔ میں نے اپنے خطبے میں

> جس سکیم کی تجویز پیش کی تھی وہ ایک مسلم صوبے (Muslim Province) کے قیام کے بارے میں تھی یعنی شمال مغربی ہند میں ایک ایسا صوبہ جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہو۔ میری سکیم کے مطابق نیا صوبہ مجوزہ ہندوستانی فیڈریشن کا حصہ ہو گا جبکہ پاکستان سکیم کے تحت مسلمانوں کے صوبوں کی علیحدہ فیڈریشن تجویز کی گئی ہے جو برطانیہ سے براہ راست منسلک ہو گا۔[۲۳]

دلچسپ بات یہ ہے کہ اس خط کے ٹھیک دو روز بعد اقبال نے چھ مارچ ۱۹۳۴ء کو راغب احسن کے نام ایک خط میں انہیں ٹامسن کے تبصرے کی کاپی ارسال کرتے ہوئے لکھا:

> براہ کرم نوٹ فرمالیں کہ تبصرہ نگار مغالطے کا شکار ہے کہ گویا میری تجویز پاکستان سکیم سے تعلق رکھتی ہے۔ جہاں تک میری تجویز کا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ انڈین وفاق کے اندر ایک مسلم صوبہ تخلیق کیا جائے جبکہ پاکستان سکیم کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستان کے شمال مغرب میں مسلم صوبوں کا ایک ایسا وفاق تشکیل دیا جائے جو انڈین وفاق سے علیحدہ ہو اور انگلستان سے براہ راست وابستہ ہو۔[۲۴]

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اقبال کو اس وضاحت کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ ڈاکٹر جاوید اقبال کی یہ توضیح صحیح نظر آتی ہے کہ ۱۹۳۰ء میں "آل انڈیا مسلم لیگ کی یہ حکمت عملی بھی نہیں تھی۔ ابھی جناح کے چودہ نکات ہی اس کا مطمع نظر تھے اور ہندو مسلم مفاہمت کا بھی امکان موجود تھا۔ لہٰذا لیگ کے پلیٹ فارم سے اس قدر انقلابی تجویز پیش کرنا بظاہر ناممکن بات نظر آتی ہے۔[۲۵] جاوید اقبال کی اس توضیح سے ہمارے اس موقف کو تقویت ملتی ہے کہ اقبال نے درحقیقت یہ انقلابی تجویز ارادی یا غیرارادی طور پر پیش تو کردی لیکن اس کے شدید ردعمل کے پیش نظر انہوں نے اسے ایک نئی شکل دے دی' کیونکہ ایک مسلم ریاست (Muslim State) کی بجائے ایک مسلم صوبے (Muslim Province) کی تشکیل کو اپنا مطمع نظر قرار دینے کے باوجود اقبال کی دلی خواہش ایک مسلم ریاست کا قیام ہی رہی۔ ۱۵ ستمبر ۱۹۳۳ء کو اقبال لاہور سے راغب احسن کو لکھتے ہیں:

> جو کچھ آپ کے خیال میں ہے اس کا پورہ ہونا بہت سے نئے حالات و اسباب پر منحصر ہے جن میں سب سے بڑا ضروری امر یہ ہے کہ شمال مغربی ہندوستان میں ایک اسلامی ریاست پیدا کی جائے یا پاکستان کی سکیم بہ روئے کار آئے ان سکیموں کے ہوتے ہوئے بھی کامل شرعی آزادی حاصل کرنے کیلئے مزید جدوجہد کی ضرورت ہو گی۔[۲۶]

۱۹۳۷ء میں قائداعظم کے نام خطوط میں اقبال مسلم ریاست کے قیام کی ضرورت پر زور دیتے رہے۔ ۲۸ مئی ۱۹۳۷ء کو قائداعظم کو لکھا:

اسلامی قوانین کے گہرے اور دقت نظر مطالعہ کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اگر اس قانون کو اچھی طرح سمجھا جائے اور اس پر عمل کیا جائے تو کم از کم ہر شخص کے لئے حق روزی تو محفوظ ہو جاتا ہے لیکن اس ملک میں جب تک ایک آزاد مسلم ریاست یا ریاستیں معرض وجود میں نہ آئیں، اسلامی شریعت کا نفاذ ممکن نہیں۔" آگے چل کر لکھتے ہیں کہ "مسلم ہند کے ان مسائل کا حل اسی وقت ممکن ہو سکے گا جبکہ ملک کی از سرنو تقسیم کی جائے اور ایک یا زائد مسلم ریاستیں جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہو وجود میں لائی جائیں۔" اقبال نے قائداعظم سے سوال کیا کہ کیا آپ کے خیال میں اس مطالبے کا وقت نہیں آن پہنچا۔[۲۷]

۲۱ جون ۱۹۳۷ء کو ایک اور خط میں اقبال قانون حکومت ہند ۱۹۳۵ء کو مایوس کن بتلاتے ہوئے ہندوستان میں امن و امان قائم رکھنے اور مسلمانوں کو غیر مسلموں کے تسلط سے بچانے کی واحد ترکیب یہ تجویز کرتے ہیں کہ مسلم صوبوں کی علیحدہ فیڈریشن قائم کی جائے۔[۲۸] اس سے اگلی سطر قابل توجہ ہے کہ سال ہا سال سے میرا یہی عقیدہ رہا ہے اور اب بھی میں اسی کو مسلمانوں کی روٹی کے مسئلے اور ہندوستان کے امن و امان کا بہترین حل سمجھتا ہوں۔ تاریخی عوامل نے اقبال کو چودھری رحمت علی کی اس پاکستان سکیم سے ہم آہنگ کر دیا جس سے ۱۹۳۴ء میں وہ برات کا اعلان کر رہے تھے۔

۲۲ نومبر ۱۹۳۷ء کو سید ابو الحسن علی ندوی نے اقبال سے ملاقات کی۔ دوران گفتگو اقبال نے برعظیم میں ایک مسلم ریاست کے قیام کو ناگزیر بتلاتے ہوئے کہا کہ شیخ احمد سرہندی، شاہ ولی اللہ اور سلطان محی الدین عالمگیر کا اگر وجود اور ان کی جدوجہد نہ ہوتی تو ہندوستانی تہذیب اور فلسفہ اسلام کو نگل جاتا۔ جو قوم اپنا ملک نہیں رکھتی وہ اپنے مذہب اور تہذیب کو بھی برقرار نہیں رکھ سکتی۔ دین و تہذیب حکومت و شوکت سے زندہ رہتے ہیں۔ اس لئے پاکستان ہی مسلم مسائل کا واحد حل ہے اور یہی اقتصادی مشکلات کا حل بھی ہے۔[۲۹]

بالفرض اگر یہی تسلیم کر لیا جائے کہ اقبال نے صرف ایک مسلم صوبے کی تشکیل کا ذکر کیا تھا تب بھی Final destiny جیسے یہ دو الفاظ قابل غور ہیں۔ درحقیقت ان دو الفاظ کے ذریعے اقبال اس منزل کی طرف اشارہ کر رہے تھے جس جانب حالات کا دھارا مسلم قوم کو بہائے لئے جا رہا تھا۔

المختصر اقبال نے ایک مسلم ریاست کے قیام کی خواہش ظاہر کی یا ایک صوبے کی تشکیل کا ذکر کیا۔ اس بحث میں پڑے بغیر یہ حقیقت بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ اقبال ایک ایسے خطے کی تشکیل کے متمنی تھے جہاں مسلمان اپنی تہذیبی روایات اور روحانی اقدار کے مطابق زندگی گزار سکیں۔

بقول مختار زمن اگرچہ خطبہ الہ آباد میں لفظ پاکستان تو موجود نہیں لیکن پاکستان کی روح موجود ہے۔ علامہ کی پھونکی ہوئی اس روح نے دس سال بعد مسلمانوں کے جسد سیاست میں داخل ہو کر اسے زندگی و توانائی بخشی۔[۳۰]

حوالہ جات

۱۔ مختار زمن، خطبہ الہ آباد، مشمولہ "نقوش" اقبال نمبر ۲۔

۲۔ عبدالمجید سالک، سرگذشت، لاہور، ۱۹۶۳ء، ص ۱۱۰۔

۳۔ روزنامہ انقلاب، ۱۲ اپریل ۱۹۲۹ء، ص ۶۔

۴۔ ہفت روزہ پیسہ اخبار، ۲۴ اکتوبر، ۱۹۳۳ء، ص ۵۔

۵۔ بحوالہ مختار زمن کا مضمون خطبہ الہ آباد۔

۶۔ The Indian Annual Register, Vol.II, July-December, 1930, p.334

۷۔ Syed Shamsul Hasan, Plain Mr. Jinnah, Karachi, 1976, p.52

۸۔ The Modern Review, February, 1931, p.259

۹۔ روزنامہ انقلاب، اداریہ ۳ جنوری ۱۹۳۱ء، ص ۳۔

۱۰۔ The Modern Review, February, 1931, p.259

۱۱۔ روزنامہ انقلاب، ۱۵ جنوری، ۱۹۳۱ء، ص ۳۔

۱۲۔ Abdus Salam Khurshid, History of the Idea of Pakistan, Karachi, 1977, p.77

۱۳۔ روزنامہ انقلاب ۲۱ جنوری، ۱۹۳۱ء، ص ۳۔

۱۴۔ روزنامہ انقلاب، ۴ جنوری، ۱۹۳۱ء، ص ۱۔

۱۵۔ روزنامہ انقلاب، ۱۵ جنوری، ۱۹۳۱ء، ص ۳۔

۱۶۔ ٹائمز آف انڈیا، بحوالہ انقلاب یکم فروری ۱۹۳۱ء، ص ۴۔

۱۷۔ عبدالمجید سالک، سرگذشت، لاہور، ۱۹۶۳ء، ص ۳۹۶۔

۱۸۔ روزنامہ انقلاب، یکم فروری، ۱۹۳۱ء، ص ۴۔

۱۹۔ جاوید اقبال، زندہ رود، لاہور، ۱۹۸۴ء، ص ۳۹۳۔

۲۰۔ بحوالہ انقلاب، ۱۰ جنوری، ۱۹۳۱ء، ص ۲۔

۲۱۔ انقلاب، اداریہ، ۹ جنوری، ۱۹۳۱ء، ص ۳۔

۲۲۔ انقلاب، ۱۵ جنوری، ۱۹۳۱ء، ص ۳۔

۲۳۔ S. Hasan Ahmad, (ed.); Iqbal: His Political Ideas at Crossroads, Aligarh, 1979, p.80

۲۴۔ محمد فرید الحق (مرتب) جہان دیگر، کراچی، ۱۹۸۳ء، ص ۱۱۶۔

۲۵۔ جاوید اقبال، بحوالہ سابقہ، ص ۴۱۵۔

۲۶۔ محمد فرید الحق، بحوالہ سابقہ، ص ۵۱۔

۲۷۔ احمد سعید، اقبال اور قائداعظم، اقبال اکادمی، لاہور، ۱۹۷۷ء، ص ۱۶۷۔

۲۸۔ اقبال اور قائداعظم، ص ۱۱۰۔

۲۹۔ ابو الحسن علی ندوی، نقوش اقبال، کراچی ۱۹۷۳ء، ص ۳۵۔

۳۰۔ نقوش، اقبال نمبر ۲۔

سہ ماہی مجلہ

فکرونظر

فکرونظر ادارہ تحقیقات اسلامی کا اُردو مجلّہ ہے۔ ادارہ تحقیقات اسلامی کو مستقل تحقیقی تصانیف پیش کرنے کے علاوہ گذشتہ تیس برس سے اپنے عربی، انگریزی اور اردو مجلّات کے ذریعے اسلامی علوم، تہذیب، ثقافت اور زبان و ادب سے متعلق گرانقدر علمی مضامین کی اشاعت کا شرف بھی حاصل ہے۔ مجلّہ 'فکرونظر' کے خصوصی شمارے اپنے اپنے موضوعات پر مآخذ کی حیثیت رکھتے ہیں جن میں سیرت نمبر، یوم تاسیس نمبر، نفاذ شریعت نمبر، حج نمبر، سید صباح الدین عبدالرحمٰن نمبر خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔

بدل اشتراک

قیمت فی شمارہ: ۱۰ روپے
سالانہ چندہ : ۳۵ روپے

ادارہ تحقیقات اسلامی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی
پوسٹ بکس نمبر ۱۰۳۵
اسلام آباد ۴۴۰۰۰
پاکستان